اکثر بین الاقوامی مسائل بعض قوموں کے توسیع پسندانہ عزائم کی پیداوار ہیں

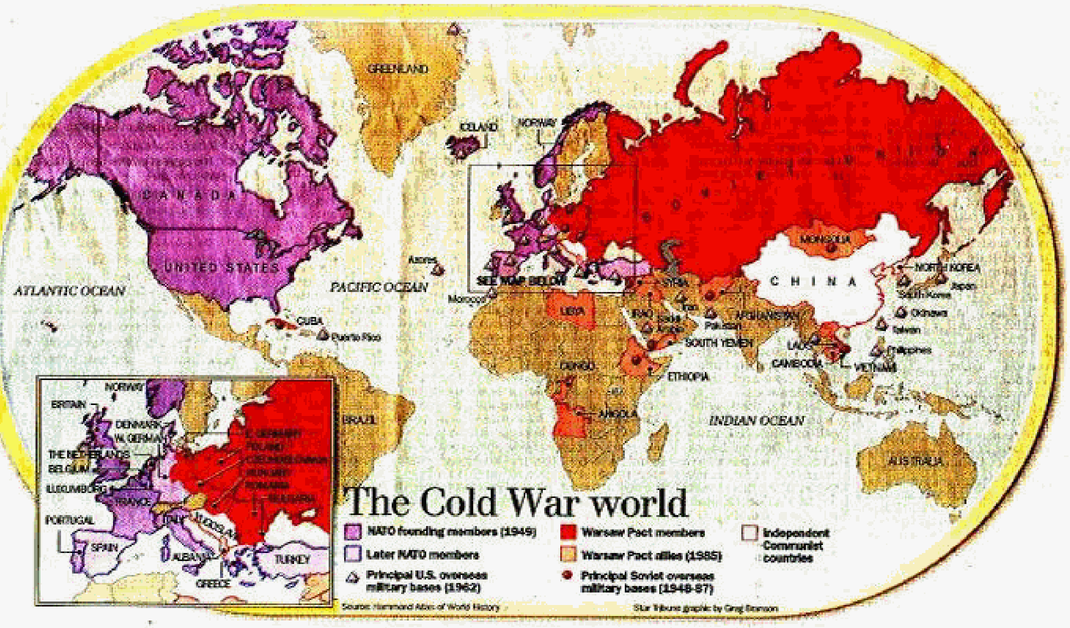

تحریر: زاہد حسین خالد

روزنامہ جنگ 17 اپریل 1975 کراچی ایڈیشن میں شائع ہوا

اقوام عالم کے ایک دوسرے پر معاشی انحصار نے بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد ڈالی۔ جب قوموں کے ایک دوسرے سے تعلقات استوار ہوئے تو ان کے مابین مختلف شعبہ ہائے حیات میں مقابلے کا رجحان پیدا ہوا کسی قوم نے سائنس کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تو کسی نے فنون لطیفہ کے، کسی نے فوجی طاقت کے ذریعے دوسروں کو پچھاڑا تو کسی نے اقتصادی خوشحالی وسخاوت کے ذریعے اقوام عالم کو اپنے سامنے سر جھکانے پر مجبور کیا۔ کسی نے مفکرانہ اور فلسفیانہ خیالات کو دنیا میں پھیلا کر ذہنی انقلاب بپا کیا تو کسی نے معاشی وسماجی نظریات نو کا سہارا لے کر پوری دنیا کو جدت پسندانہ طرز تمدن سے کنارہ کشی کا درس دیا۔ کسی نے آزاد دنیا کی، آزادی، برقرار رکھنے کے لئے علاقائی وفوجی معاہدوں کا سلسلہ شروع کیا تو کسی نے سیکورٹی سسٹم کی مدد سے قوموں کو اپنی صف میں شامل کرنا چاہا مگر میدان انہی کے ہاتھ رہا جن کا وقت اور وسائل نے ساتھ دیا۔

اس طرح وقت کے تغیر وتبدل اور وسائل کی کثرت یا قلت نے برتری وسربلندی کا تاج کبھی ایک قوم کے سر پر رکھا اور کبھی دوسری کے۔ لہذا جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر بین الاقوامی سیاست کا کاروبار چلتا رہا اور چلتا رہے گا۔ مگر اس مہذب وترقی یافتہ دور میں لاٹھی کا آزادانہ استعمال کچھ زیب نہیں دیتا۔ یہی کچھ سوچ کر اقوام عالم نے باہمی رضامندی سے اقوام متحدہ کے منشور کی صورت میں ایک لائحہ عمل مرتب کیا جس کی رو سے اقوام متحدہ کے ہر رکن ملک پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔ طاقت کے استعمال یا استعمال کی دھمکی سے گریز کرے دوسرے ممالک کی آزادی اور خودمختاری اور علاقائی سالمیت واستحکام کا احترام کرے۔ اپنے مسائل کا پر امن حل تلاش کرے۔ لوگوں کے حق خودارادیت میں رخنہ اندازی نہ کرے۔ بین الاقوامی قوانین وضوابط اور اقوام متحدہ کے منشور پر سختی سے کاربند رہے۔

اقوام متحدہ کے منشور کو ایک ایسا بین الاقوامی ضابطہ اخلاق یا لائحہ عمل قرار دیا جاسکتا ہے جس پر لفظی ومعنوی دونوں صورتوں میں عمل دنیا کو جنت ارضی بنا سکتا ہے۔ ایک ایسی جنت جہاں امداد باہمی کے اصولوں کو سامنے رکھ کر بھوک، ننگ، غربت، جہالت، نفرت وتفاوت اور جنگ وجدل کی جگہ خوشحالی وفارغ البالی، قابلیت، محبت، یگانگت اور امن وسکون کی ایک نئی دنیا آباد کی جاسکتی ہے مگر اس خواب کا شرمندہ تعبیر ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اقوام عالم توسیع پسندانہ عزائم کو پس پشت ڈال کر اپنے اپنے اندرونی مسائل کی جانب توجہ نہیں دیتیں۔ ان مسائل کو فوری اہمیت کے قابل نہیں سمجھتیں جن سے ان کے افراد کا سکون زندگی وابستہ ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ بین الاقوامی برادری کو کیا مسائل درپیش ہیں؟ اقوام متحدہ کو کن بین الاقوامی مسائل کا حل تلاش کرنا ہے اور یہ دونوں ان مسائل کا حل تلاش کرنے میں کس حد تک کامیاب رہی ہیں اگر غور کیا جائے تو عظیم تر ممالک سے لے کر غریب تر ممالک ہر ملک بے پناہ اندرونی و بیرونی مسائل کا شکار ہیں۔ عظیم تر ممالک کے تین بنیادی مسائل ہیں۔

اول: موجودہ بین الاقوامی مقام و منصب کو کس طرح برقرار رکھا جائے۔

دوم: موجودہ حلقہ اثر کو کس طرح وسیع سے وسیع تر کیا جائے تا کہ توازن طاقت برقرار رکھا جا سکے۔

سوئم: فراط زر اور تباہ کن جنگی ساز و سامان پر ہونے والے بے پناہ اخراجات پر کس طرح قابو پایا جائے۔

دوسری جانب غیر ترقی یافتہ، ترقی پذیر، پسماندہ اور غریب ممالک جن مسائل سے دوچار ہیں وہ یہ ہیں۔

اول: اقوام عالم میں آزاد و خود مختار حیثیت کو کس طرح برقرار رکھا جائے؟

دوم: توازن طاقت کے نام پر ہونے والی بیرونی مداخلت اور حملوں سے کس طرح محفوظ رہا جائے۔

سوم: معاشی و دفاعی اخراجات میں کسطرح توازن قائم کیا جائے تا کہ عوام کو زندگی کی بنیادی ضروریات بھی فراہم کی جا سکیں اور بین الاقوامی سیاست میں آزاد موقف بھی اختیار کیا جا سکے؟

تیسری جانب اقوام متحدہ مندرجہ ذیل مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہے۔

اول: آئندہ نسلوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے کس طرح محفوظ رکھا جائے۔

دوم: بین الاقوامی تعاون کو کس طرح فروغ دیا جائے تا کہ اقوام عالم اپنے تمام امتیازات مٹا کر اپنے تمام اختلافات بھلا کر صلح، آشتی، امن اور بھائی چارہ کی فضا میں سانس لے سکیں۔

سوم: دنیا کو غربت و جہالت، محتاجی، تنگدستی اور فراط و تفریط زر سے کس طرح نجات دلائی جائے۔

یہ ہیں وہ مسائل جن سے بین الاقوامی برادری اور اقوام متحدہ دوچار ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو بیشتر عالمی مسائل عظیم تر طاقتوں کے اول الذکر دو مسائل کی پیداوار ہیں

یعنی نمایاں مقام و منصب کے حصول اور حلقہ اثر میں وسعت کو خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ان طاقتوں نے ایک جانب تباہ کن اور مہلک ہتھیاروں کی لامتناہی دوڑ شروع کر رکھی ہے اور دوسری جانب ان کی نگاہ بے بہا بے کمزور و پسماندہ ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ مثلاً روس اور امریکہ کے درمیان سرد جنگ کے نتیجے میں پہلے یورپ مشرق و مغرب میں تقسیم ہوا۔ جرمن قوم کے درمیان دیوار کھینچی گئی۔ جنوبی کوریا کو شمالی کوریا سے لڑایا گیا۔ ویت نام میں جنگ کے بیج بوئے گئے، مشرق وسطی میں اثر و نفوذ کی خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جنگ کے شعلوں کو بھڑکایا گیا جانبداری اور غیر جانبداری کی بنیاد پر قوموں کو دوست اور دشمن قرار دیا گیا اور پوری دنیا کے گرد معاہدوں کا ایک ایسا جال بن دیا گیا ہے جو وسیع و عریض دنیا کو کسی بھی لمحے مختصر میدان جنگ میں بدل سکتا ہے۔

یہ ایسی صورت حال تھی جس میں ایک جانب کسی بھی مسائل ومشکلات سے دوچار پسماندہ یا ترقی پذیر ملک کا بین الاقوامی مسائل پر غیر جانبدارانہ موقف اختیار کرنا انتہائی دشوار ہو چکا تھا تو دوسری جانب جانبدارانہ موقف اختیار کرنے یا اظہار کرنے پر عظیم طاقت کو معاشی یا اقتصادی، فوجی سیاسی اور اخلاقی صورت میں جو معاوضہ ادا کرنا پڑتا تھا وہ بذات خود عظیم طاقتوں کی معیشت پر روز بروز بڑھتا ہوا بوجھ تھا اس طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی برادری نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ اس طرز عمل سے ان کے مسائل کی سنگینی میں اضافے کے سوا کچھ نہ ہوگا اس صورتحال سے نجات کی صرف دو ہی صورتیں ہیں:۔

اول: روس اور امریکہ اپنے باہمی اختلافات کو گفت وشنید اور افہام وتفہیم کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کریں۔

دوم: ترقی پذیر ممالک بیرونی امداد پر مکمل انحصار کے بجائے اپنے اندرونی وسائل کو اس طرح بروئے کار لائیں جو کم ہے کہ وقت میں انہیں امداد کے نام پر ہونے والی بیرونی مداخلت اور پاور پولیٹکس کے منفی اثرات سے نجات دلانے میں معاون ثابت ہو سکیں۔

اگر غیر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے مسائل کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ محدود وسائل کے باوجود عظیم طاقتوں کی بالواسطہ مداخلت اور ہمسایہ ممالک کے توسیع پسندانہ عزائم کے خوف نے انہیں ایک کثیر رقم دفاعی تیاریوں پر خرچ کرنے پر مجبور کر دیا ہے دفاعی اخراجات کا ناقابل برداشت بوجھ اٹھانے کے بعد ان میں اتنی سکت نہیں رہتی کہ وہ ملک کے معاشی، اقتصادی، تعلیمی، سماجی اور فلاحی مسائل پر حسب ضرورت توجہ دے سکیں اس کے دو انتہائی تشویشناک نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔

اول: ان ممالک کے افراد کا معیار زندگی، معیار تعلیم اور معیار سیاست بلند نہیں ہوتا۔ نتیجتاً ان کی سیاست، معیشت، ثقافت، قیادت اور معاشرت ایک نہ ختم ہونے والے جمود کا شکار ہو جاتی ہے اور وہ عالمی برادری میں نمایاں مقام ومنصب کے حصول کا خواب کبھی نہیں دیکھ سکتے۔

دوم: انہیں اقوام عالم میں اپنی آزاد خود مختار حیثیت کو برقرار رکھنے، اپنی سرحدوں کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے اپنے عوام کو ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لئے دوسرے ممالک کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے۔ بیرونی امداد پر انحصار ان ممالک کے داخلی وخارجی مسائل کی پیچیدگیوں میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ ان کی اندرونی وبیرونی داخلی وخارجی سیاست ومعیشت کے کمزور پہلو امداد دینے والے ممالک پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور بیرونی امداد کا یہ منفی پہلو امداد لینے والے ترقی پذیر یا پسماندہ ممالک کی مشکلات کو ویسے ہی بڑھا دیتا ہے جیسے رائی کا پہاڑ بنا دیا جائے۔

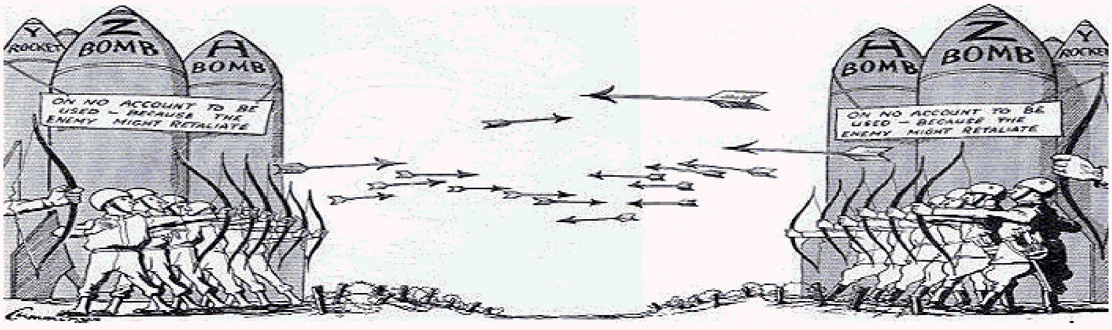

یہ وہ مسائل ہیں جن کا ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کو سامنا کرنا پڑتا ہے اس کے باوجود کچھ ممالک ایسے ہیں جو اندرونی مسائل سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اپنے عوام کو زندگی کی بنیادی ضروریات فراہم کرنے کے بجائے صرف نہ اپنا تمام سرمایہ ہتھیار خریدنے پر صرف کر رہے ہیں بلکہ ان کی توجہ بھوک افلاس، جہالت و پسماندگی سے ہٹانے کے لئے پر امن ہمسایوں کی سرحدوں پر افواج جمع کر کے توسیع پسندانہ عزائم کا ثبوت فراہم کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

ہمارا ایک پڑوسی ملک ایک ہاتھ میں کشکول اٹھائے دوسری بغل میں ایٹم بم دبائے بیرونی ممالک کے دروازوں پر اقتصادی امداد کی بھیک مانگتا نظر آتا ہے۔ کوئی اس سے پوچھے کہ بھائی تمہیں آخر ایسی کیا آفت آئی تھی کہ اپنے عوام کے لئے سامان زیست فراہم کرنے کی بجائے دوسروں کی موت کا سامان اکٹھا کرتے پھرو۔ انہی کے ہم فطرت ملک کا مشرق وسطیٰ میں بھی وجود ہے اس ملک نے پورے مشرق وسطیٰ کا امن وسکون اپنی علاقائی ہوس اور تشدد پسندی کی بدولت تباہ کر رکھا ہے کبھی وہ شام سے چھیڑ خان کرتا ہے کبھی لبنان پر گولے برساتا ہے کبھی مصر کو آنکھوں دکھاتا ہے اور کبھی پوری عرب دنیا کو نیست و نابود کرنے کا نعرہ لگاتا ہے۔

یہ توسیع پسندانہ عزائم رکھنے والے صرف دو ممالک کی مثالیں ہیں۔ یہ وہ ممالک ہیں جنہیں نہ بین الاقوامی قوانین سے کوئی سروکار ہے اور نہ ہی بین الاقوامی ضابطۂ اخلاق ہی انہیں با اخلاق بنا سکتا ہے۔ یہ نہ دوسرے ممالک کی علاقائی سالمیت و استحکام کا احترام کرتے ہیں نہ انہیں اپنے عوام کی فلاح و بہبود ہی سے کوئی دلچسپی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اقوام متحدہ کا منشور یاد آتا ہے اگرچہ یہی ممالک جنہوں نے اس منشور کی تخلیق میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اگرچہ یہی ممالک جنہوں نے باہمی رضامندی سے اس منشور پر سختی سے کاربند رہنے کا تحریری عہد کیا ہے اس کی خلاف ورزی کرنے لگیں اور عہد سے بد عہدی پر اتر آئیں تو نہ کاغذ کی زبان ہوتی ہے کہ وہ انہیں بتا سکے کہ تم اپنے ہی مرتب کئے ہوئے ضابطہ اخلاق کی دھجیاں اڑا رہے ہو اور نہ ہی اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ عہد کو بد عہدی سے روک سکے۔ یہ قوموں کا مشترکہ عہد تھا اور ہے کہ وہ آئندہ نسلوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کا تہیہ کر چکی ہیں۔ اب اگر قومیں اپنا یہ عہد بھول کر دنیا کو گہوارہ امن بنانے کی بجائے میدان جنگ میں بدلنے پر اتر آئیں تو اس میں منشور امن، ضابطہ اخلاق یا اس لائحہ عمل کا کوئی قصور نہیں بلکہ قصور اس فطرت کا ہے جو ایک انسان کو ذاتی مفاد کی خاطر دوسرے انسان کا گلا کاٹنے پر مجبور کرتی ہے۔ سیاست دان بھی انسانوں ہی میں سے ہوتے ہیں۔ قوم کا مفاد ان کا ذاتی مفاد ہوتا ہے اور اس مفاد کی خاطر دوسروں کا گلا کاٹنے، دنیا کو میدان جنگ میں بدلنے اور دوسروں کی آزادی و خود مختاری سلب کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے لہذا آئندہ نسلوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کی ضمانت اس وقت تک نہیں دی جا سکتی جب تک قومی مفادات پر عالمی مفاد کو ترجیح نہ دی جائے۔ قومی مفادات پر اس وقت تک بین الاقوامی مفادات کو ترجیح نہیں دی جا سکتی جب تک دنیا کے تمام ممالک توسیع پسندانہ عزائم کو پس پشت ڈال کر خلوص دل سے مختلف شعبہ ہائے حیات میں ایک دوسرے سے تعاون نہیں کرتے۔ محدود نقطہ نظر محدود نصب العین، محدود طرز فکر کے بجائے لامحدود وسیع نقطہ نظر، وسیع نصب العین، وسیع طرز فکر اور وسیع طرز عمل کو نہیں اپناتے۔ ایک دوسرے کے مسائل کو مل جل کر حل نہیں کرتے اپنے تمام علاقائی، نسلی، لسانی، جغرافیائی، سیاسی امتیازات و اختلافات کو بھلا کر شانے سے شانہ جوڑ کر، ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر، قدم سے قدم ملا کر خلوص دل سے غربت و جہالت، محتاجی و تنگ دستی اور نفرت و جنگ کے خلاف جہاد کا اقوام متحدہ کے پرچم تلے جمع ہو کر عملی طور پر آغاز نہیں کرتے۔ یقیناً آج یہ ایک خواب نظر آتا ہے ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ اسے دیوانے کی بڑ بھی قرار دیں مگر دنیا میں کوئی بھی کام ناممکن نہیں ہر عظیم کام، ہر عظیم مقصد، ہر عظیم خواہش، ہر عظیم نصب العین، ہر عظیم عہد کی تکمیل میں وقت لگتا ہے۔ سال ہی نہیں صدیاں گزر جاتی ہیں مگر ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب خواب حقیقت بن جاتا ہے اور دیوانے کی بڑ دنیا کا دیوانہ پن دور کر دیتی ہے۔